P. O. REGD. No. A 922

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) علیگڈھ کا پندرہ روزہ اخبار

قیمت فی پرچہ دو آنے | سالانہ چندہ دو روپے

جلد ۱۱ | ۱۵ دسمبر سنہ ۱۹۵۲ء | ایڈیٹر۔ قاضی عبدالغفار | ۲۶ ربیع الاول ۱۳۷۲ ہجری | نمبر ۲۴

اترپردیش کی پولیٹیکل کانفرنس اردو دشمنی کے میدان میں

آخر کار اترپردیش کی صوبائی کانگریس کمیٹی بنارس کی پولیٹکل کانفرنس کے پلیٹ فارم کو اردو دشمنی کا محاذ بنا کر عریاں نظر آ گئی۔ اس کانفرنس نے چند قراردادیں منظور کیں جنمیں سے ایک اردو کے متعلق ہے اور وہ ہمارے لئے کتنی ہی غیر خوشگوار ہو لیکن تعجب انگیز نہیں۔ کانپور میں کانگریسی ممبروں کے اجتماع نے اس مسئلہ کے متعلق اپنی تنگ نظری کا جو رخ ہمیں دکھایا تھا اسکے بعد ہم خود اس مظاہرے کا انتظار کر رہے تھے۔

قرارداد کے صحیح الفاظ اس وقت ہمارے سامنے نہیں ہیں لیکن اخبار لیڈر میں جو خبر شایع ہوئی ہے اوسکا ترجمہ حسب ذیل ہے:-

"خاص قرارداد میں جو شہر کا اجلاس کی طرف سے پیش کی گئی ریاستی حکومت سے درخواست کی گئی کہ وہ اردو کی علاقائی زبان کی تحریک کے مضرت رساں نتایج پر توجہ کرے۔ اس قرارداد میں اس "شورش" کے لیڈروں سے بھی درخواست کی گئی کہ وہ علیحدگی اور فرقہ وارانہ جذبات کو مشتعل نہ کریں جس سے ملک کے اتحاد میں خرابی پیدا ہوگی۔

قرارداد میں ریاستی حکومت کا شکریہ ادا کیا گیا کہ اس نے ہندی کو سرکاری زبان قرار دیا اور کہا گیا کہ جہاں تک اردو زبان کی تعلیم کا تعلق ہے حکومت کو تمام آسانیاں بہم پہنچانی چاہئیں لیکن اس زبان کو علاقائی زبان کی حیثیت سے تسلیم کرنا اہل ملک کے اتحاد پر ایک سخت ضرب ہوگی اور اس سے نظم حکومت اور ریاست کی ترقی میں دشواریاں پیدا ہو جائینگی۔

اس قرارداد کو مسٹر چترویدی شرما نے پیش کیا اور اسکی تائید مسٹر درباری لال، سلطانپور کے مسٹر ناظم اور اعظم گڈھ کے مولوی عبد اللطیف نے کی۔ قرارداد بالاتفاق منظور ہوئی۔"

ٹائمز آف انڈیا کا نامہ نگار لکھتا ہے کہ مسٹر شرما نے اپنی تقریر میں کہا کہ اُردو زبان پر کسی قسم کی پابندی عاید کرنا کسی کا مقصد نہیں ہے اور جو لوگ اس زبان کو سیکھنا اور استعمال کرنا چاہینگے اونکو ضروری اسانیاں دی جائینگی۔ کانفرنس کی غیر جنبہ داری اور بے تعصبی کے ثبوت میں مسٹر شرما نے بتایا کہ جو اُردو مشاعرہ اس موقعہ پر ہوا تھا اُسکی صدارت انہوں نے خود کی تھی۔

مسٹر ٹنڈن نے فرمایا کہ ہندی زبان صرف چند سال سے نہیں بلکہ نسلاً بعد نسل ہندستان کی زبان رہی ہے۔ انہیں تو یہہ خیال تھا کہ اب اُردو کی نعش دفن ہو چکی لیکن جو "شورش" علی گڈھ اور لکھنو سے کی جارہی ہے اس نے ہمارے اندیشون کو پھر جگا دیا ہے۔ اس شورش کا ہمیشہ کے لئے گلا گھونٹ دینا ہو گا۔

اُردو کی نعش کے دفن ہونے کا گمان ٹنڈن جی کو اس وقت تک تھا جب تک کہ انہون نے یہہ نہیں سنا کہ ۲۰ لاکھ دستخط ہو چکے ہیں اور اس شورش کے گلا گھونٹنے کا ارادہ اس وقت مضبوط ہوا جب یہہ خبر ملی کہ یہہ تحریک اب بہت آگے بڑھ گئی ہے — اتنی آگے کہ اگر خود حامیان اُردو چاہیں بھی تو اب اپنا قدم پیچھے نہیں ڈال سکتے!

بنارس کی پولیٹکل کانفرنس نے علاقائی تحریک کے حامیوں کے سامنے چند واضح سوالات پیش کر دئیے ہیں:-

(۱) کیا کانگریس ایک دستوری اور سیکولر جماعت کی حیثیت سے ایک ایسی تحریک کی مخالفت کر سکتی ہے جو دستور کے تحت جاری کی گئی ہے اور جسکے حامی سرکاری زبان کو پوری طرح تسلیم کر کے صرف علاقائی زبان کی حیثیت سے اُردو کے حقوق کا مطالبہ کر رہے ہیں؟

(۲) کیا علاقائی تحریک اور اتر پردیش کی کانگریس کے درمیان ٹکراؤ ناگزیر ہو گیا ہے؟

(۳) کیا صدر کانگریس اور ہائی کمانڈ اتر پردیش کی کانگریس کی اس پالیسی کی تائید کرتے ہیں؟

(۴) اگر نہیں کرتے تو کیا انہیں اتنی قوت ہے کہ وہ اتر پردیش کانگریس کے اس کجروی کو روک سکیں؟

انجمن کے جنرل سکریٹری اور اتر پردیش کانگریس کے سکریٹری کے درمیان اس مسئلہ کے متعلق کچھہ خط و کتابت ہو چکی ہے اور انجمن کے جنرل سکریٹری نے صدر کانگریس کو اس خط و کتابت سے باخبر کر دیا ہے۔ اب جبکہ ہمارے صوبہ کی کانگریس پردے سے باہر آکر ٹنڈن جی کی زبان سے صاف صاف کہنے لگی ہے کہ اُردو کی نعش کو دفن کر دینا چاہئے اور اس زبان کا گلا ہمیشہ کے لئے گھونٹ دینا چاہئے تو علاقائی تحریک کی رفتار اور قوت میں مزید اضافہ کی ضرورت پیدا ہو گئی ہے۔ مسٹر شرما نے اپنی تقریر پر نرم لفظون کا جو غلاف چڑھایا تھا اُسے بھی ٹنڈن جی نے چاک کر دیا اور یہہ معلوم ہو گیا کہ اب اتر پردیش کانگریس کے حلق سے جو آواز نکل رہی ہے وہ فی الاصل ٹنڈن جی کی آواز ہے — حلق کانگریس کا ہے اور آواز ٹنڈن جی کی!

اس صوبہ کی کتنی بڑی بدنصیبی ہے کہ مقامی کانگریس ایک ایسے ادارے کے مقابلہ میں آئی ہے جو قطعی طور پر غیر فرقہ واری ادارہ ہے اور جسکی رکنیت میں اچھے اچھے اور ممتاز ہندو بھی شریک ہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ڈاکٹر تارا چند یا اچاریہ نریندر دیو یا پنڈت کشن پرشاد کول یا شری اننت نراین ملا یا پنڈت سندر لال یا پی رام کشن راؤ یا کرشن چندر یا دتاتریہ کیفی یا کنور مہندر سنگھہ فرقہ پرست ہیں یا قومی دشمن ہیں — یا وہ کوئی ایسا کام کرینگے جو ملک کے اتحاد کو نقصان پہنچائے؟ کون کہہ سکتا ہے کہ ڈاکٹر ذاکر حسین خان، نواب علی یاور جنگ (سفیر

اوجھا ہیں) خواجہ غلام السیدین، مسٹر فیضی (سابق سفیر مصر)، نواب صاحب چھتاری، کرنل زیدی، ڈاکٹر عابد حسین فرقہ پرست ہیں اور ہندستان کے اتحاد کے بدخواہ ہیں؟۔ کون کہہ سکتا ہے سوائے ٹنڈن جی کے ـــ اور سوائے اس پارٹی کے جو انکا ہموفون ہے!!

ہمیں افسوس ہے کہ بہت ہی بے محل یہہ صورت حال پیدا کی گئی ہے جبکہ دسمبر کے آخر میں علاقائی زبان کی مہم ختم ہو رہی ہے اور اس "شورش" کا خاتمہ ہوتا ہے۔ اسکے بعد فیصلہ صدر جمہوریہ کا ہوگا۔ کیا ٹنڈن جی اور انکا جتھا اس فیصلہ کو بھی متاثر کرنے کی کوشش کریگا؟

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب مخالفین یہہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے تمام راہیں بند کردیں تو عین اسی وقت کوئی نہ کوئی نیا دروازہ کھل جاتا ہے۔ چنانچہ اس مخالفت نے جواب کانگریس کی طرف سے شروع ہوئی ہے ہمیں یہہ سوچنے پر مجبور کردیا ہے کہ اگر بفرض محال یہہ کوشش ناکام ہوئی تو ہم کیا کرینگے۔ علاقائی مہم کے مخالفین جو چاہیں کریں، لیکن فطرت انسانی کے ناقابل تسخیر تقاضوں کو نظر انداز نہ کریں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں اب کانگریس کے حلقوں میں دو نئے حربے استعمال کئے جاینگے۔ ایک سمت میں تو یہہ کہا جا رہا ہے کہ بیک وقت دو زبانیں اگر سرکاری زبان قرار پائینگی تو نظم و نسق میں انتشار پیدا ہو جائیگا۔ دوسرے گوشے سے یہہ اشارے کئے جا رہے ہیں کہ اس جھگڑے کو ختم کرنے کے لئے کیوں نہ ایسا ہو کہ اُردو بھی دیوناگری رسم الخط اختیار کرے؟ دونوں باتیں ابھی اشاروں اشاروں میں کہی جا رہی ہیں۔ جہاں تک بیک وقت دو سرکاری زبانوں کا سوال ہے ہم صرف اتنی بات دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ مدھیہ پردیش اور دہلی اور بمبئی میں جب ہندی کے ساتھ علاقائی زبانوں کو تسلیم کرلیا گیا تو نظم و نسق میں خرابی کا کیا سوال پیدا ہوا۔ مدھیہ پردیش میں تو دو برس سے قانون ۲۹-سنہ ۱۹۵۰ پر عمل ہو رہا ہے۔ بمبئی میں بھی کسی علاقائی زبان سے کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔ اب دہلی نے بھی ہندی کے ساتھ اُردو کو تسلیم کرلیا، کہیں بھی ہم نے کسی خرابی کی خبر نہیں سنی، پھر خاص اتر پردیش کا نظم و نسق اسقدر نازک مزاج کیوں ہے کہ اسکی صحت اُردو کے نام ہی سے خراب ہو جاتی ہے اور یہہ نام کسی طرح اسکے حلق سے نہیں اترتا۔

رہا اُردو کے رسم الخط کو ختم کرکے دیوناگری اختیار کرنے کا سوال تو یہہ ناصحان مشفق یا تو واقعی اس سوال کی اہمیت سے بے خبر ہیں یا باخبر ہیں اور ہمیں بہکانا چاہتے ہیں۔

ہماری نظر میں تاریخی حیثیت سے اُردو اور ہندی دو مختلف زبانیں نہیں ہیں، لیکن انکا رسم الخط مختلف ہے۔ دونوں کے رسم الخط میں ایک مشترک تہذیب اور کلچر کے خزانے اور روایتیں جمع ہیں جو صدیوں سے جمع ہوتی رہی ہیں۔ اب اگر اُردو کے رسم الخط کو ترک کر دیا جائے تو نتیجہ کیا ہوگا سوائے اسکے کہ گذشتہ صدیوں میں مشترک تہذیب کا جو ادبی اور علمی ذخیرہ اُردو زبان میں جمع ہوا ہے اسکے دروازے ہمارے بچوں کے لئے چند سال بعد بند ہو جائیں اور علوم و سائنس اور ادب کے یہہ ذخایر برباد ہو جائیں۔ کیا ہمارے ناصحان مشفق کی نظر میں یہہ تہذیبی خزانے اتنے بے قیمت ہیں کہ انہیں انکے برباد ہو جانے کی کوئی پروا نہیں یا وہ چاہتے ہی ہیں کہ وہ برباد ہو جائیں تاکہ ہندستان کی مشترک تہذیب کا خاتمہ ہو جائے؟ ٹنڈن جی جب بار بار ہندی کلچر کا نام لیتے ہیں تو کیا اسکا مطلب یہی ہوتا ہے؟۔

انجمن کے جنرل سکریٹری کا بیان

(جو گذشتہ ماہ بعض انگریزی اخباروں میں شایع ہوا تھا)

"بقول یونائیٹڈ پریس آف انڈیا تمام ملک کے بعض ممتاز ہندی ادیبوں نے اردو زبان کے حامیوں کو "ایک سخت تنبیہ" اور علاقائی زبان کی تحریک کے چلانے والوں کے طرزعمل پر سخت نکتہ چینی کی۔ انہوں نے انجمن ترقی پسند مصنفین کے اس طرزعمل پر بھی افسوس کا اظہار کیا کہ وہ اس تحریک کی تائید کر کے سیاست میں حصہ لے رہی ہے۔ ان "ممتاز ہندی ادیبوں" نے یہہ دعوے کر کے کہ "اردو کبھی بھی ہندستان کے کسی علاقہ کی زبان نہ تھی" تاریخ کے حقائق سے صاف انکار کر دیا اور تاریخ سے انکار کی ایسی شدید مثال تو وہم وگمان سے باہر ہے۔

اس مقدس جنگ میں کسی سے پیچھے رہنا پسند نہ کر کے آل انڈیا ساہتیہ سمیلن کے سکریٹری صاحب نے بھی ایک ایسا بیان شائع کرا دیا ہے جس کی خصوصیت یہہ ہے کہ اسے حقیقت اور واقعات سے کوئی تعلق نہیں۔ اخباروں میں خبر چھپی ہے کہ فاضل سکریٹری صاحب نے علاقائی تحریک کو "قطعی باگل پن اور قومی اہانت" کے نام سے یاد فرمایا۔ انہوں نے اردو کے حامیوں کو تنبیہ کی کہ وہ یہہ نعرہ بازی ترک کر دیں۔

بدمزاجی اور عصبی ہیجان کا یہہ مظاہرہ دیکھکر سوچنا پڑتا ہے کہ آخر اردو کے حامیوں نے کیا جرم کیا ہے جس کی وجہ سے انہیں اس طرح غصہ ور دھمکیوں کا ہدف بنایا جارہا ہے۔

میں از سر نو ان دلایل کو نہیں دہراتا جو بہت دفعہ پیش کی جاچکی ہیں لیکن میں حقیقتاً یہہ معلوم کر کے حیران ہو گیا کہ اس تحریک کا کوچھہ تعلق سیاست سے بھی سمجھاجاتا ہے۔ مجھے یہہ دیکھکر بھی سخت حیرت ہوئی کہ ہندی اور اردو کے اہل قلم کے اس پلیٹ فارم پر جو ملک کی تہذیبی ترقی کے لئے ضروری ہے اور انجمن ترقی پسند مصنفین کی سرپرستی میں قایم ہے یہہ کہہ کر کہ اس کا طرزعمل فرقہ پرستی اور سیاست پر مبنی ہے وہی لوگ حملے کر رہے ہیں جنہیں اس کی تائید کرنی چاہیئے۔ اور کوئی یہہ تو بتائے کہ دو قومی نظریہ کس طرح علاقائی زبان کی تحریک میں گھس آیا جس کا مقصد صرف بعض ایسے حقوق کا مطالبہ کرتا ہے جو دستور نے مقرر کردیئے ہیں۔ غصہ اور رنج کے یہہ مظاہرے مجھے وہ پرانی کہاوت یاد دلاتے ہیں کہ کتے کو مارنے کے لئے کوئی بھی ڈنڈا ہو ٹھیک ہے!

کیا مجھے ایک دفعہ یہ کہنے کی بار ضرورت ہے کہ علاقائی زبان کی تحریک کے حامیوں کا ضمیر بالکل پاک ہے اس لئے کہ وہ اسی قدر ہندی زبان کے حقوق کی حمایت کرتے ہیں جس قدر کہ اردو اور تمام دوسری علاقائی زبانوں حقوق کی جنہیں ہمارے دستور نے اسلیم کیا ہے۔ لیکن وہ گھبراہٹ اور غصہ جو ہمارے فاضل احباب ظاہر کر رہے ہیں ہمیں یہ بتاتا ہے کہ ایک پوشیدہ تعصب کسی دوسری علاقائی زبان کے خلاف نہیں بلکہ صرف اردو کے خلاف اور وہ بھی خاص طور پر اترپردیش میں کارفرما ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے احباب ایک احساس کمتری کی گرفت میں ڈر رہے ہیں کہ جب تک اردو زبان قایم رہیگی ہندی کی وہ نئی شکل جسے وہ جاری کرنا چاہتے ہیں عام پسند نہ ہوسکیگی؟

رهنائی کے ساتھہ تاریخ سے انکار کرنا صرف اس لئے کہ یہ ثابت کیا جائے کہ اردو کوئی زبان ہی نہیں اور وہ بھی ہمارے فاضل دوستوں کے طرف سے بہت ہی حیرت انگیز ہے۔

جس وقت ہمارا معروضہ صدر جمہوریہ کی خدمت میں پیش ہو جائیگا میں وعدہ کرتا ہوں کہ ان احباب کو، اگر وہ پسند کرینگے، دعوت دی جائیگی کہ وہ دستخطوں کے اس دفتر کو خود ملاحظہ کرلیں جس میں انہیں یہہ دیکھہ کر حیرت ہوگی کہ قابل لحاظ تعداد اُن غیر مسلموں کی ہے جو اردو کو اپنی مادری زبان ظاہر کرتے ہیں ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعض فرقہ پرست عہدہ داد اور لیڈر حقایق سے قطع نظر کرکے واقعی یہہ سمجھتے ہیں کہ اردو کا کوئی وجود ہی نہیں ۔ تو پھر اردو زبان کے اس وسیع ادب کا کیا جواب ہے جو صدیوں تک جمع ہوتا اور ترقی کرتا رہا ہے اور اب بھی دونوں رسم الخط یعنی دیوناگری اور اردو میں شایع ہو رہا ہے ۔ اسے نہ صرف کسی ایک فرقہ کی تائید حاصل ہے بلکہ وہ ہندو اور مسلمان دونوں اہل قلم کے ایک شاندار اجتماع کی ادبی کوششوں سے مالامال ہو رہا ہے ۔ یہہ سب ادب کہاں سے آتا ہے اگر اردو زبان کا کوئی وجود ہی نہیں ہے !

کسقدر افسوس کی بات ہے کہ ایک تنگ نظر اور بے بصیرت قوم پرستی اس غرض سے نکل کر میدان میں آئی ہے کہ وہ بھارت کے ایک مشترکہ کلچر کی (یہہ لفظ دستور سے لیا گیا ہے) کی بنیادیں قوم دشمن جذبات اور ادنےٰ تعصبات کے ایسے غیر دانشمندانہ مظاہروں سے ہلادے ۔

یہہ فرض کرکے کہ ہماری ہندی کے اہل قلم کھلا دل رکھتے ہیں ۔ جیسا کہ ہونا چاہئے اس لئے کہ وہ مادر وطن کے ممتاز اہل علم ہیں ۔۔ میں کہیں بھی جہاں وہ چاہیں اُن سے ملاقات کرنے پر آمادہ ہوں تاکہ اُن پر اس تحریک کی حقیقت واضح کردوں جسکا مقصد سوائے اس چیز کے حاصل کرنے کے اور کچھہ نہیں ہے جسکی ضمانت ملک کے دستور نے دی ہے ۔

یہہ تو ایک امتحان ہے ۔ اگر ہم اس بات کا اطمینان بخش ثبوت پیش نہ کرسکیں کہ اتر پردیش میں ایک قابل لحاظ تعداد اردو زبان بولتی، لکھتی اور پڑھتی ہے اور یہہ کہ وہ ان لوگوں کی مادری زبان ہے تو ہمارا مقدمہ تو خود ہی ناکام ہوجائیگا اسکے خلاف ہمارے ہندی اہل قلم اور لیڈروں کو جد و جہد کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہ ہوگی ۔ تو پھر ایک دستوری تحریک کو بدنام کرنے کی یہہ تمام گھبراہٹ اور فکر کیوں؟ یہہ کہنا ایک نہایت تکلیف دہ توہین ہے کہ اس تحریک کا مقصد ہندی کے خلاف کوئی محاذ قایم کرنا یا دو قومی نظریہ کو زندہ کرنا ہے ۔ ہمارے دوستوں کو جب سرکاری حلقوں سے پوری تائید کا یقین ہے تو پھر یہہ گھبراہٹ کیوں؟

بالآخر یہہ تحریک چند ہی روز میں ختم ہوجانے والی ہے اور ہمیں عوام کی رائے بتادیگی کہ اردو زبان علاقائی زبان ہے یا نہیں ۔ تب ہمارے احباب کیوں اپنے خود ساختہ بھوتوں سے اپنے سکون قلب کو برباد کراتے ہیں ۔ کیا میں اُن سے استدعا کرسکتا ہوں کہ وہ لوگوں میں بددلی اور فرقہ پرستی کے جذبات پیدا کرنے اور اپنے ملک کو نقصان پہنچانے سے پہلے چند نتایج کا انتظار کرلیں ۔

انجمن کی خبریں

کانپور اترپردیش کے جمعیۃ علمائے ہند کی کونسل نے علاقائی زبان کے تحریک کے متعلق یہہ قرارداد منظور کی کہ وہ اس تحریک کی تائید کرتی ہے اور اس کے تمام حامیوں سے اپیل کرتی ہے کہ وہ اسے کامیاب بنائیں۔

فیض اباد شیعہ کانفرنس نے بھی اپنے اجلاسوں میں علاقائی تحریک کی تائید کی اور مطالبہ کیا کہ اردو کو اس ریاست کی دوسری سرکاری زبان تسلیم کیا جائے۔

دھلی دھلی اسمبلی نے اردو کو ھندی کے ساتھ علاقائی زبان تسلیم کرلیا ہے اور اب اسمبلی کی کارروائی اور حکومت کے کام ھندی اور انگریزی کے علاوہ اردو میں بھی ہوسکیں گے۔

حیدر اباد تازہ مردم شماری کے اعداد شائع کردئے گئے ہیں جنکا خلاصہ حسب ذیل ہے۔ ریاست میں ۲۲۶ زبانیں اور مقامی بولیاں ہیں۔ ان میں سے تلنگی کے بولنے والے ۴۷ فی صدی ہیں، مرھٹی کے ۲۲ فی صدی، اردو کے ۱۱ فی صدی اور ھندی کے اعشاریہ ۱ء۲ فی صدی!

کل آبادی میں ھندوؤں کی تعداد ۸۶ فی صد ہے، اور مسلمانوں کی ۱۱ فی صد۔

بمبئی ۲۰ نومبر کو یہاں اردو اخبار نویسوں کا ایک اجتماع منگل کے دن صابو صدیق کے مسافر خانے میں منعقد ہوا اس جلسہ میں انجمن ترقی اردو کے جنرل سکریٹری قاضی عبدالغفار صاحب اور یوپی میں اردو کو علاقائی زبان تسلیم کرانے کی کمیٹی کے کنوینر مسٹر حیات اللہ انصاری نے تقریریں کیں۔

مسٹر حیات اللہ انصاری نے اپنی تقریر میں اس بات پر زور دیا کہ اردو کی تحریک ھندی کی مخالفت میں جاری نہیں کی گئی ہے اور نہ یہہ تحریک فرقہ واری ہے۔ فرقہ پرستی سے اردو تحریک کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں مسٹر حیات اللہ نے بتایا کہ اردو کو اسلام یا صرف مسلمانوں سے مخصوص کرنا غلط ہے۔ اردو جاننے والے مسلمان اور غیر مسلم سب ہیں اور اس کا ثبوت اخبار ملاپ، پرتاپ وغیرہ کی کثیرالاشاعتی ہے۔ رہا اسلام تو اس کا انحصار اردو پر ہرگز نہیں ہے۔

اسلامی کتب زیادہ تر عربی یا پھر فارسی میں ہیں۔

قاضی عبدالغفار اور مسٹر حیات اللہ انصاری نے اردو تحریک سے متعلق بہت سی غلط فہمیوں کو دور کرتے ہوئے سب سے زیادہ زور اس بات پر دیا کہ ہمیں اردو کی حمایت صحیح طریقہ سے کرنی چاہیئے۔ ھندی سے ہماری مخالفت ہرگز نہیں کیوں کہ وہ انگریزی کی جگہ لے گی ہم تو صرف اپنی مادری زبان کی جو ایک قومی سرمایہ ہے ترقی چاہتے ہیں اور اس کے تحفظ کے لئے کوشاں ہیں۔

یوپی میں دستخطوں کی مہم کے سلسلہ میں ایک صاحب نے یہہ سوال کیا کہ ہمارے پاس اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ اگر ہم ۲۰ لاکھ دستخط فراہم کردیں تو ہماری تحریک یقیناً کامیاب ہوجائیگی۔

اس پر قاضی عبدالغفار صاحب نے بتایا کہ ہمارا کام اپنا مقدمہ پیش کردینا ہے اور یہہ کام ہم کر رہے ہیں، جس طرح ہم عدالتوں میں دوسرے مقدمات لے جاتے ہیں حالانکہ یہہ یقین نہیں ہوتا کہ ہم لازمی طور پر کامیاب ہوجائیں گے۔ اسی طرح یہہ بھی ایک آزمائشی مقدمہ ہے۔

اس سلسلہ میں مسٹر حیات اللہ نے مزید روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ اس بات کو ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ اردو کو دستور میں تسلیم کرلیا گیا ہے اور دستور کی پابندی صدر جمہوریہ پر فرض ہے۔ اس کے علاوہ رائے عامہ کا بھی ایک اثر ہوتا ہے اور اس کا دباؤ قبول کرنا پڑتا ہے۔

۲۲ نومبر کی شب کو احمد سیلر ہائی اسکول میں اردو کے ہمدردوں کا ایک جلسہ ہوا جس میں طے کیا گیا کہ بمبئی میں رہنے والے یوپی کے باشندوں سے ایک یادداشت پر دستخط لینے کی مہم فوراً شروع کی جائے۔ یادداشت میں صدر جمہوریۂ ہند سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ اردو کو یوپی کی علاقائی زبان تسلیم کیا جائے۔ اس مقصد کے لئے ایک کمیٹی بنائی گئی ہے۔ جسے جناب حیات اللہ انصاری صاحب نے منظوری دی ہے کہ وہ اس مہم کو بمبئی میں چلائے۔ ظ انصاری صاحب اور جمال اشرفی صاحب عارضی سکریٹری مقرر کئے گئے ہیں جنہیں انتظامی اختیارات دیے گئے ہیں۔ مسٹر مختار احمد کو پروپیگنڈہ سیکریٹری مقرر کیا گیا ہے۔ اور اختیار دیا گیا ہے کہ وہ جن اصحاب کو "کو آپٹ" کرنا چاہیں کو آپٹ کریں۔

جلسہ میں حیات اللہ انصاری صاحب نے ایک مدلل اور معلومات افزا تقریر کی اور اپیل کی کہ بمبئی میں رہنے والے تمام باشندگان یو۔پی کی دستخطیں حاصل کی جائیں۔

فیض آباد | خان بہادر مرزا علی سجاد حسین صاحب صدر شیعہ کانفرنس نے اپنے خطبہ صدارت میں فرمایا کہ "اگر اردو صوبہ کی علاقائی زبان بھی نہ رہی تو شیعوں کا مذہبی لٹریچر بھی ختم ہو جائیگا۔ نوحے، مرثیے، عقائد کی کتابیں سب اردو میں ہیں ...... میں پر زور اپیل کرتا ہوں کہ انجمن ترقی اردو (ہند) جو اقدامات کر رہی ہے اس میں ہماری انجمن حصہ لے، بغیر متحدہ کوشش کے اس مہم کا سر ہونا دشوار ہے ...."

لکھنؤ | دوسری شیعہ کانفرنس کے صدر راجہ اکبر علی خاں صاحب نے اپنے خطبہ صدارت میں فرمایا کہ "اردو کے ساتھ حکومت کی بے اعتنائی قابل شکوہ ہے۔ اردو کسی خاص فرقہ کی زبان نہیں ہے۔ یہ زبان آج ملک کے ہر حصہ میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اتر پردیش میں بھی اس کو ایک علاقائی زبان کا درجہ ملنا چاہیئے"

متھوناتھ بھنجن | انقلابی سوشلسٹ کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے بنارس کے کمیونسٹ لیڈر رستم سیٹلن نے کہا کہ "ابھی حال میں بنارس میں کانگریس کی جو سیاسی کانفرنس ہوئی ہے اس میں یہ تجویز پاس کر دی گئی کہ اردو علاقائی زبان نہیں تسلیم کی جا سکتی۔ کانفرنس کا یہ فیصلہ ہر لحاظ سے قابل مذمت ہے۔ اردو زبان ہر ملک کی زبان نہیں ہے بلکہ ہندوستان کی ایک زبان ہے۔ اس وقت اردو کا سوال انسانیت اور زندگی کا سوال ہے۔ میں یہ کہہ کر مسلمانوں کو خوش کرنا نہیں چاہتا ہوں۔ میری زبان خود ہندی ہے اور میں ہندی کا چاہنے والا ہوں۔ لیکن میرے سامنے یہ سوال اس لئے اٹھا ہے کہ مادری زبان ہر انسان کا پیدائشی حق ہے اور کوئی حکومت مجاز نہیں کہ اس بنیادی حق کو غصب کرے"۔

حیدرآباد | انجمن ترقی اردو (حیدرآباد) کے زیر اہتمام ۸ نومبر ۱۹۵۲ع کو حکومت حیدرآباد کے معتمد تعلیمات مسٹر ایل۔این گپتا کی صدارت میں یوم فانی منایا گیا۔ اسٹانلے گرلس اسکول کا وسیع اور خوبصورت ہال جو جدید تعمیر ہوا ہے اور بشپ چیمبر کے نام سے موسوم ہے حاضرین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ شہ نشین پر فانی مرحوم کی بڑی تصویر رکھی ہوئی جسے دیکھکر حاضرین کے دلوں میں مرحوم کی یاد تازہ ہوتی تھی۔ مرحوم نے اپنی زندگی کے آخری کئی سال حیدرآباد میں گذارے تھے اور آخر میں وہ یہیں پیوند خاک بھی ہوئے۔ شریک ہونے والوں میں ہندو اور مسلمان دونوں طبقوں کے افراد شامل تھے اور ان میں خواتین کی بھی ایک بڑی تعداد تھی۔

محترمہ بیگم حیدر خاں اور محترمہ قطب النساء بیگم ہاشمی نے فانی کی زندگی اور آن کی شاعری پر مقالے پڑھے اور ڈاکٹر یوسف حسین خاں صاحب پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی نے فانی کی شاعرانہ تکنیک اور خصوصیات پر دلچسپ تقریر کی۔ حیدرآباد کے مشہور فن کار عبد الرؤف صاحب نے اپنے خاص انداز میں فانی کی دو غزلیں گا کر حاضرین کو محظوظ کیا۔

صدر جلسہ مسٹر گپتا نے اپنی صدارتی تقریر میں فانی کی شاعری کے بعض پہلوؤں پر روشنی ڈالی اور حاضرین پر زور دیا کہ وہ اپنے ادبی ورثے کو قایم رکھنے کی کوشش کریں اور علم وادب کے معماروں کی قدر افزائی کریں۔ اس کے بعد مقامی شعرا محمود، عصمت، کنول، اور وجد نے اپنا تازہ کلام سنایا اور حیدرآباد کے ممتاز قوال عزیز احمد خاں صاحب وارثی نے فانی کی چند غزلیں گائیں۔

آخر میں معتمد انجمن مسٹر حبیب الرحمن نے ان سب اصحاب کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے اس جلسے کو کامیاب بنانے میں حصہ لیا۔ صدر جلسہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اُنہوں نے کہا کہ مسٹر گپتا حیدرآباد کے اُن سپوتوں میں سے ہیں جو گذشتہ چند سال کے غیر معمولی حالات میں بھی اپنا توازن قائم رکھے ہوئے ہیں اور اس وجہ سے خاص کر وہ ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں۔ اُنہوں نے آگے چل کر کہا کہ اُردو اور ہندی میں درحقیقت کسی قسم کا بیر نہیں ہے بلکہ یہہ دونوں زبانیں ایک دوسرے کی معاون ہیں۔ اُردو سے ہمدردی رکھنے والوں کو مخاطب کرتے ہوئے اُنہوں نے کہا کہ اگر واقعی اُنہیں اُردو سے محبت ہے تو ضرورت ہے کہ یہہ ہمدردی عملی صورت میں ظاہر ہو۔ محض زبانی ہمدردی سے وہ مشکلات دور نہیں ہو سکتیں جو آج کل اُردو زبان کو پیش آرہی ہیں۔

اسلامی فن تعمیر

[از پروفیسر کوریکر ـ بمبئی]

.... "اسلامی فن تعمیر" اسلامی فن تعمیرات کی ترقی کے متعلق جو ۶۲۲ع سے ۱۶۱۰ عیسوی تک ہوتی رہی ارنسٹ رچانڈ کی ایک کتاب کا ترجمہ ہے جو فن تعمیر کے ایک مشہور ماہر ہیں۔ یہہ کتاب مکمل ہے اور اسمیں نہ صرف تمام اہم ترین معلومات موجود ہیں بلکہ اکثر تفصیلات ایسی ہیں جنکا جاننا اسلامی فن تعمیر کی ترقی سے واقف ہونے کے لئے ضروری ہے۔

سید مبارز الدین کا ترجمہ آسان اُردو میں ہے اور بلاشبہ اُردو ادب میں ایک گرانقدر اضافہ ہے۔ یہہ کتاب جو اسلامی فن تعمیر اور اُسکی ترقی کے متعلق ایک خزانہ ہے تمام اُن اصحاب کے پاس ہونی چاہئے جو فن تعمیر سے دلچسپی رکھتے ہیں اور خاص طور پر کتاب خانوں میں اس کا ہونا ضروری ہے"

(بھارت جیوتی ـ بمبئی)

باہتمام عزیز حسین منیجر نیشنل پرنٹرس کمپنی میں چھپا اور قاضی عبد الغفار صاحب پبلشر نے صدر دفتر انجمن ترقی اُردو (ہند) علی گڈھ سے شائع کیا۔